تبصرے

ملحق خلاصۃ السیر (عربی)

تالیف الشیخ محمد بیگ البرہانپوری النقشبندی۔

تحقیق ڈاکٹر ظہور احمد اظہر۔ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور۔

عربی زبان کا یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی کالج کے اورنٹیل کالج کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر شائع کیا گیا ہے۔ اسے اورنٹیل کالج کے جدید عربی ادب کے پروفیسر ڈاکٹر اظہر نے اڈیٹ کیا ہے۔ مصنف مغل شہنشاہ شاہجہان کی حکومت کے دورِ اوّل میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۰ ھ میں اورنگ زیب عالم گیر کی حکومت کے آخری دور میں انھوں نے وفات پائی۔ ڈاکٹر اظہر نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں اس قدر اختصار اور ایجاز سے کام لیا ہے کہ سوائے اس کے کہ یہ برّعظیم پاک و ہند کی تاریخ پر دوسری عربی کتاب ہے، اس میں اور کوئی خاص خوبی نہیں۔ جن فارسی تصنیفات سے مصنف نے استفادہ کیا اور جن کی فارسی عبارتوں کا، اس نے عربی میں ترجمہ کیا ہے، ڈاکٹر اظہر نے ان کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے بارے میں مختصر معلومات بھی دے دی ہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں ایک بڑی اچھی بات یہ بھی کی کہ دوسری کتابوں سے مصنف کے حالاتِ زندگی اور اس کی تصنیفات کے متعلق جو کچھ بھی مواد ملا، اُسے یہاں جمع کر دیا ہے۔ اس سے اس مخطوطے کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

مصنف شیخ محمد بیگ نے کوئی اٹھارہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے ایک کتاب ابتدائے عالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر خلاصۃ السیر کے نام سے تھی۔ زیرِ نظر کتاب اس کا ایک ملحق یعنی ضمیمہ ہے۔ یہ ضمیمہ تو محفوظ رہا، باقی سترہ تصنیفات نہیں ملیں۔

ڈاکٹر اظہر نے مصنف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی۔ چنانچہ جہاں انھوں نے فقہی موضوعات پر کتابیں لکھیں، وہاں تصوف پر بھی اُن کی تصنیفات ہیں۔ اس ضمن میں عجیب بات یہ ہے کہ اُن کی ایک کتاب وحدت الوجود کے دفاع میں "مراد المقصود فی دفع شبہات وحدۃ الوجود" کے نام سے ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان کی ایک اور کتاب حضرت مجدد الف ثانی پر ہے جو وحدت الوجود کے مخالف اور وحدت الشہود کے علم بردار اور داعی ہیں اور جس کا نام ہے "عطیۃ

الاحباب الفاصلة بين الحق والصواب فی الرد علی المعترضین علی الشیخ احمد الفاروقی" یعنی اس کتاب میں شیخ احمد الفاروقی پر اعتراض کرنے والوں کا جواب دیا گیا ہے۔

افسوس مصنف کی یہ دونوں کتابیں نہیں ملتیں ورنہ اُن کا بیک وقت وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تائید کرنا غیر معمولی دلچسپی کا سبب ہوتا۔

مصنف نے ابوالفضل کے "اکبر نامہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا آدم سے لے کر اب تک کوئی سات ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ابتدائے عالم کے متعلق ہندوؤں کا جو ایک لامحدود زمانے کا تصور ہے، وہ بھی پیش کر دیتے ہیں، اور اس کی تائید میں ابن عربی اور سعدالدین حموی کا کئی آدموں کا جو تصور ہے، اس کا بھی ذکر موجود ہے۔

شروع میں حضرت آدم کی ولادت۔ پھر حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ پھر یاجوج ماجوج کا ذکر کرنے کے بعد ملوکِ فارس اور ملوکِ ترک کا بیان ہے۔ اس کے بعد چنگیز خاں اور اس کی اولاد کا ذکر ہے۔ بادشاہوں اور اُن کے خاندانوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ مصنف ہر عہد کے علما، صوفیا، اور شعرا کا بھی ضمناً ذکر کر جاتے ہیں اور ان کے سنین وفات بتاتے ہیں۔ کتاب کا اختتام اکبرِ اعظم کے عہد پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر اظہر صاحب نے جگہ بہ جگہ حاشیوں میں کتاب کے اصل ماخذوں کی طرف اشارے کیے ہیں اور جہاں مصنف فارسی عبارتوں کا عربی میں صحیح ترجمہ نہیں کر پائے۔ وہاں اس کی تصحیح بھی کر دی ہے۔ غرض انھوں نے اس مخطوطے کی تصحیح اور تحقیق پر بڑی محنت کی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ایک چیز بڑی کھلتی ہے اور وہ ہے طباعت کی غلطیاں۔ گو آخر میں چار صفحے کا اغلاط نامہ موجود ہے۔ لیکن اتنی مختصر سی کتاب میں طباعت کی اس قدر غلطیاں مطالعہ کرنے والے پر بہت گراں گزرتی ہیں۔

۱۷۳ صفحات کی اس کتاب میں برِ عظیم پاک و ہند کے حکمران خاندانوں کے علاوہ دنیائے اسلام کے کئی دوسرے شاہی خاندانوں کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ لیکن یہ اتنے مختصر ہیں کہ اس سے زیادہ اختصار نہیں ہو سکتا۔

اورینٹل کالج کی طرف سے اُس کی صد سالہ سالگرہ پر اس نادر عربی مخطوطے کی اشاعت ایک قابلِ تعریف اقدام ہے۔ پروفیسر ظہور احمد اظہر نے اس کی تحقیق اور اس پر تعلیقات لکھنے میں جو محنت کی ہے، وہ

بڑی قابلِ تعریف ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو عربی ملکوں کے کتب خانوں میں بھجوایا جائے۔ یہ ہمارے ملک کی علمی و تصنیفی زندگی کے لیے بہت اچھا ذریعہ تعارف ہوگی۔

مشاہد التوحید

اس کتاب کے مصنّف جناب ملک حسن علی صاحب ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت اور برطانوی حکومت سے عدمِ تعاون کی جو تحریک چلی تھی، اُس کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حصّہ لینے والے کیا نوجوان طالب علم اور کیا عوام اور بڑی عمروں کے خواص، مذہبیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عملاً بھی یعنی عبادات مذہبی کو ادا کرنے میں اور عقیدتاً بھی یعنی دینِ اسلام سے گہری قلبی محبت اور وابستگی رکھنے میں کالجوں کے وہ نوجوان طالب علم جو مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے زعما کی دعوت کو لبیک کہتے ہوئے اس تحریک میں شریک ہوئے اور انھوں نے "سرکاری کالجوں" کو چھوڑا تو ان کی ساری زندگی مذہبی رنگ میں رنگی گئی۔ ان میں سے اکثر نہ صرف پنج وقتہ نمازوں کے پابند ہو گئے۔ بلکہ وہ تہجد بھی پڑھنے لگے۔ ان نوجوان طالب علموں پر اس تحریک نے ایک عجیب کیفیت طاری کر دی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک گم شدہ چیز تھی، جس کی تلاش میں وہ عرصے سے سرگرداں تھے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ تحریک جو شروع ہوئی تو گویا اُن کے ذریعہ انھیں وہ چیز مل گئی۔ اور یہ چیز تھی اسلام بطورِ ایک عقیدے اور لائحہ حیات کے۔ ملک حسن علی صاحب اسلامیہ کالج لاہور کے ان طالب علموں میں سے ہیں، جنھوں نے ۱۹۲۰ء میں سرکاری تعلیم کو خیرباد کہا اور اس تحریکِ عدمِ تعاون میں شریک ہوئے۔ اس تحریک نے بہت سے نوجوان طالب علموں کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں ملک صاحب کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اس پچاس سال کی طویل مدت میں عقیدہ و عمل کا وہ دینی جذبہ برابر قائم رکھا جس کے ماتحت اُنھوں نے ۱۹۲۰ء میں اِسلامیہ کالج لاہور چھوڑا تھا۔

فاضل مصنّف اپنے ہم وطن بزرگ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، اُن سے پہلی بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ توحید کے اثبات اور بدعات و شرک کے رد میں امام ابنِ تیمیہ اور حضرت مجدد الف ثانی سے بھی بہت متاثر ہیں اور انھوں نے اپنے ان خیالات کی اشاعت کو زندگی کا مقصدِ اوّلیں بنا لیا ہے، چنانچہ اس سے پہلے اسی